علامہ محمد اسد اور نظریۂ پاکستان کی تعبیر-۳

ڈاکٹر محمد ارشد ○

تحریک پاکستان کے دوران میں قائداعظم محمد علی جناح اور دیگر زعما نے پاکستان کی مسلم ریاست کی تعمیر و تشکیل میں اسلام کے ابدی اصولوں سے رہنمائی لینے اور قرآن وسنت کو اس مملکت کا دستور بنانے سے متعلق بیانات و اعلانات کے باوجود مجوزہ اسلامی ریاست کی وضع و ہیئت اور خط و خال واضح نہ کیے جاسکے۔[۱] ایک بھرپور جدوجہد، بعض مؤثر مسلم علما اور سیاسی لیڈروں کی جانب سے مزاحمت اور چاروں طرف سے شدید مخالفتوں کا سامنا کرتے ہوئے مجوزہ ریاست کے دستور اور اس کے سیاسی نظام العمل کی تدوین کی طرف سیاسی قیادت خاطر خواہ توجہ نہ دے سکی۔ چنانچہ عوام تو کجا خواص پر بھی ایک اسلامی مملکت کے دستور اور اس کے سیاسی نظام کا نقشہ واضح نہ ہوسکا، بلکہ اس معاملے میں بعض ذہنوں میں فکری ابہام پایا جاتا تھا۔ جے ونڈرو سویٹ مین نے اس وقت پاکستان میں ریاست کی تشکیل کے بارے میں پائے جانے والے اس فکری الجھاؤ کے بارے میں لکھا ہے:

> ......there is wide interest in rethinking and reshaping the form of the state, nevertheless there is, for the most part, no clear definition of what an Islamic State in fact is.[۲]

> [مملکت پاکستان] کی تشکیل و تعمیر نو کے بارے میں بہت وسیع حلقوں میں دلچسپی پائی جاتی ہے، لیکن ایک حقیقی اسلامی ریاست کے خط و خال کیا ہوں، اس سے بہت سے حلقے شناسا نہیں۔

اسلامی دستور سے متعلق فکری ابہام کے بارے اشتیاق حسین قریشی کا بیان ملاحظہ ہو:

---

[۱] G.W. Choudhury, *Constitutional Development in Pakistan*, p. 44; ● *Pakistan: Transition From Military to Civilian Rule* (Essex, UK: 1988), pp.77.

[۲] J. Windrow Sweetman, *"View Points in Pakistan"*, *The Muslim World*, xlvii:2 (April 1957),p.111.

○ پروفیسر ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

What is an Islamic constitution? Than, if we take up the question of an Islamic constitution, what do we mean by it? Are we thinking of the principles on which an Islamic polity should be based, or of the corpus of the rulings and principles built up by the jurists of Islam and based on the analogy of the Caliphate as it existed in its primeval and classical forms, or of the constitutions of such modern nation states as call themselves Muslim? There is so much confusion in the minds of the Muslim peoples themselves on these questions.[1]

اسلامی دستور سے کیا مراد ہے؟ کس نوع کے دستور کو اسلامی کہا جائے؟ جب ہم اسلامی دستور کی بات کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد کیا ہوتی ہے؟ کیا اس سے ہماری مراد ایسے اصول وضوابط ہیں، جن پر ایک اسلامی نظامِ مملکت وحکومت کو استوار ہونا چاہیے یا پھر اس سے مراد وہ فقہی و قانونی ذخیرہ مراد ہے، جو ہمارے فقہا نے زمانۂ قدیم کے نظامِ خلافت کے اَطوار و اوضاع پر قیاس کرتے ہوئے وضع کیا یا اسے دورِ جدید کی مسلمان ریاستوں کے دساتیر پر استوار ہونا چاہیے؟ اس بارے میں مسلمانوں کے ذہنوں میں خاصا ابہام پایا جاتا ہے۔

اسلامی دستور اور اسلام کے سیاسی و معاشی اور تعلیمی و معاشرتی نظام کا خاکہ مرتب کرنے کے لیے آزادی سے قبل جو چند ایک اقدامات اٹھائے گئے تھے، وہ نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئے۔ اس سلسلے میں ایک اہم قدم 'صوبہ جات متحدہ' (UP) مسلم لیگ نے اٹھایا تھا۔ جس نے [غالباً] ۱۹۳۹ء کے اواخر میں نواب محمد اسماعیل خان (۱۸۸۶-۱۹۵۸ء) کی صدارت میں یہ تحریک منظور کی کہ منتخب علما کی ایک مجلس سے ایک مستند و مفصل 'نظام نامہ حکومتِ اسلامی' مرتب کرایا جائے۔ چنانچہ نواب سر محمد احمد سعید خان چھتاری[۲] (۱۸۸۸ء-۱۹۸۲ء) کی صدارت میں چند علما و اہل دانش پر

---

[1] Ishtiaq Hussain Qureshi, *"Perspectives of slam and Pakistan"* (Karachi: Ma'aref Limited, 1976).p.14

[۲] نواب سر احمد سعید خان آف چھتاری یوپی کے معروف صاحبِ ثروت، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے تعلیم یافتہ اور حافظِ قرآن تھے۔ متعدد اہم عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۹۴۱-۱۹۴۶ء کے دوران میں مملکت آصفیہ حیدرآباد دکن کے وزیر اعظم رہے۔ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۸۲ء کے دوران انڈیا کے چیف اسکاؤٹ رہے۔ اور اسی دوران ۱۹۶۵ء سے تادمِ آخر، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے چانسلر کی ذمہ داری ادا کی۔ وہ سید سلیمان ندوی کی سربراہی میں قائم 'مجلس نظام اسلامی' کے سرپرست تھے۔ علما و فضلا اور بالخصوص علامہ محمد اقبال

مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی گئی، جس کے ارکان میں سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳ء-۱۹۷۹ء)، مولانا آزاد سبحانی (۱۸۸۲-۱۹۵۷ء) مولانا شبیر احمد عثمانی (۱۸۸۵ء-۱۹۴۹ء)، مولانا عبدالحامد بدایونی (۱۹۰۰- ۱۹۷۰ء)، ڈاکٹر ذاکر حسین (۱۸۹۷ء-۱۹۶۹ء) اور مولانا عبدالماجد دریابادی (۱۸۹۲-۱۹۷۸ء) وغیرہ شامل تھے۔ علّامہ سید سلیمان ندوی (۱۸۸۴-۱۹۵۳ء) کو اس کمیٹی کا داعی (کنوینر) مقرر کیا گیا۔

یہ کمیٹی 'مجلس نظام اسلامی' کہلاتی تھی۔ مجلس کے داعی سیّد سلیمان ندوی نے مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری (۱۸۸۴-۱۹۴۸ء)، ڈاکٹر سید ظفرالحسن (۱۸۷۹ء-۱۹۴۹ء)، صدر شعبۂ فلسفہ، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، مولانا مناظر احسن گیلانی (۱۸۹۲-۱۹۵۶ء) اور مولانا شبیر احمد عثمانی کو خطوط لکھے اور ان کو اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کرنے کی غرض سے تجاویز پیش کرنے کا کہا۔ [۱]

سید صاحب نے جن اصحاب علم و نظر کو خطوط لکھے تھے، ان میں سے صرف چار افراد، مولانا عبدالماجد دریابادی، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ڈاکٹر ذاکر حسین اور مولانا آزاد سبحانی نے

← کے قدر دان تھے۔ ملاحظہ ہو: ● عبدالرؤف عروج، رجالِ اقبال (کراچی: ۱۹۸۸ء)، ص ۴۸-۴۹؛ ● سفیر اختر، سید ابوالاعلیٰ مودودی اور اُن کا سرمایۂ قلم (واہ کینٹ: ۲۰۰۴ء)، ص ۱۰۶، حاشیہ ۴۲؛ ● رئیس احمد جعفری، دیدہ وشنید (لاہور: ۱۹۴۸ء)، ص ۵۲۲-۵۲۵

[۱] 'مجلس نظام اسلامی کی تشکیل' اور اس کی کارگزاری کے بارے میں ملاحظہ ہو: عبدالماجد دریابادی، 'پیش لفظ'، مشمولہ مولانا محمد اسحاق سندیلوی، اسلام کا سیاسی نظام، ص ا؛ ● سید سلیمان ندوی، 'شذرات'، ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ)، فروری ۱۹۴۱ء و مئی ۱۹۴۱ء بحوالہ اختر، سفیر، سید مودودی اور ماہنامہ معارف، ص ۴۷-۵۷؛ ● عبدالماجد دریابادی (مرتب)، سید سلیمان ندوی کے خطوط، حصّہ دوم، ص ۸۸۔ [سید سلیمان ندوی نے عبدالماجد دریابادی کے نام ایک خط محررہ ۲۷ جنوری ۱۹۴۰ء میں لکھا: ''میں کوئی سوال نامہ ابھی مرتب نہیں کر رہا ہوں، میں تو آپ ہی لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ اسلام کے سیاسی و اقتصادی نظام کے متعلق کیا ذہن میں تجویز رکھتے ہیں اور کیا خاکہ پیش کرتے ہیں؟ مجلسی قاعدوں اور مشوروں کی کمیٹیوں سے تو کچھ ہوتا نہیں، ایک دو آدمی بیٹھ کر مسودہ تیار کرلیں پھر غور و فکر کرلیا جائے۔ مواد کتاب و سنت اور فقہ سے حاصل کیے جائیں گے''۔ ملاحظہ ہو: سید سلیمان ندوی کے خطوط حصّہ دوم ص ۸۸-۸۹]

دستوری خاکے مرتب کر کے ارسال کیے۔[۱] ان خاکوں کی مدد سے مولانا محمد اسحاق سندیلوی نے ایک مسودہ ۱۹۴۵ء میں تیار کیا جو سید سلیمان ندوی اور نواب محمد احمد سعید چھتاری کی دلچسپی اور خواہش کے باوجود[۲] ۱۹۵۷ء سے قبل چھپ کر منظرِ عام پر نہ آسکا۔[۳]

پاکستان کی مسلم ریاست کے لیے مرتب کیے گئے، اس اسلامی دستور وسیاسی نظام نامہ سے منسوب کتاب اسلام کا سیاسی نظام پر سید مودودی نے ان الفاظ میں تبصرہ کیا:

> زیرنظر کتاب [میں]......اصل مسئلہ کی تحقیق بہت حد تک صحیح ہے، لیکن سائنٹی فک نہیں ہے......ایک بڑی خامی یہ نظر آتی ہے کہ اسلامی اسٹیٹ کے نظام اور دستورالعمل پر کس قدر تفصیلی نگاہ [تو] ڈالی گئی ہے، لیکن ہر پہلو تشنہ، غیر مرتّب اور غیر مدلّل ہے۔ تیسری کمی یہ ہے کہ اصطلاحات کے استعمال اور طرزِ بیان میں علم السّیاست کی زبان سے کافی مدد نہیں لی گئی ہے، اس کا لحاظ بہت ضروری ہے۔ مجموعی طور پر کتاب اچھی، پر از معلومات اور قابلِ مطالعہ ہے۔[۴]

اس سلسلے میں دوسرا اہم اقدام جو تحریکِ پاکستان کے دنوں میں مستقبل کی مجوزہ مسلم ریاست 'پاکستان' کے لیے خالص اسلامی نقطۂ نظر سے معاشرتی، تعلیمی، معاشی اور دستوری و سیاسی نظام مرتب و مدوّن کرنے کے لیے مسلم لیگ کی طرف سے اٹھایا گیا، وہ اس کے سالانہ اجلاس منعقدہ کراچی (دسمبر ۱۹۴۳ء) میں ایک 'پلاننگ کمیٹی' کا قیام تھا۔ تاہم، اس کمیٹی کی ترکیب وتشکیل اور اس کی کارگزاری کبھی سامنے نہ آسکی۔[۵] اس سے قبل مسلم لیگ کے تیسویں اجلاس منعقدہ ۲۴-۲۶/اپریل ۱۹۴۳ء، بمقام دہلی، کے موقع پر آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں

---

[۱] • عبدالماجد دریابادی (مرتب)، سید سلیمان ندوی کے خطوط، حصۂ دوم، ص ۸۷؛ • سید سلیمان ندوی، 'شذرات'، معارف (اعظم گڑھ)، مئی ۱۹۴۱ء

[۲] • عبدالماجد دریابادی (مرتب)، سید سلیمان ندوی کے خطوط، حصّہ دوم، ص ۱۸۹

[۳] دار المصنّفین اعظم گڑھ نے یہ خاکہ اسلام کا سیاسی نظام کے نام سے شائع کیا۔

[۴] ماہ نامہ ترجمان القرآن، اگست ۱۹۴۰ء، مشمولہ پروفیسر خورشید احمد (مرتب)، ادبیات مودودی (لاہور، ۱۹۷۲ء) ص ۳۸۵-۳۸۷

[۵] سیّد حسین ریاض، پاکستان ناگزیر تھا (کراچی یونی ورسٹی، ۱۹۸۴ء) ص ۳۲۹

قرار پایا تھا کہ چند مستند ماہرین اسلام کی ایک مجلس 'مجلس تعمیر ملّی' قائم کی جائے، جو قرآن شریف کو سامنے رکھ کر قومی زندگی کے مسائل پر نظر ڈالے اور ایک اسلامی ریاست کا خاکہ بنائے [۱] لیکن یہ مجلس قائم نہ ہو سکی تھی۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی کمیٹی آف رائٹرز (مسلم لیگ کے رکن اور حامی دانش وروں کی کمیٹی) نے بھی ۱۹۴۶ء میں مجوزہ مسلم مملکت پاکستان کو مستقبل میں درپیش مسائل کے جائزے، اس کے سیاسی نظام کی تدوین اور اس کی صنعتی و اقتصادی اور تعلیمی ترقی کا لائحہ عمل مرتب کرنے کی سعی کی تھی اور مختلف اُمور و مسائل پر کتابچے (۱۲ عدد) شائع کیے تھے۔[۲] اس کمیٹی کے ایک ممتاز رکن ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (۱۹۰۲-۱۹۸۱ء)، جو بعد میں وزیر تعلیم اور کراچی یونی ورسٹی کے وائس چانسلر بھی ہوئے، انھوں نے اپنے کتابچے *The Future Development of Islamic Polity* میں پاکستان کی ریاست و حکومت کی تعمیر و تشکیل میں اسلام کے کردار و حیثیت کی وضاحت کی سعی کی تھی۔[۳] تاہم، ڈاکٹر قریشی اس ضمن میں کوئی مربوط اسکیم پیش نہ کر سکے۔ خالد بن سعید کی رائے ہے کہ اس کتابچے میں کوئی گہرائی موجود نہ تھی اور شاید یہ بڑی عجلت میں لکھا گیا تھا۔[۴]

آل انڈیا مسلم لیگ کے علاوہ آل انڈیا سنّی کانفرنس (بریلوی مکتب فکر کے علما کی تنظیم، قائم: ۱۹۲۵ء) نے اپنے اجلاس بنارس (۲۷-۳۰/اپریل ۱۹۴۶ء) میں اسلامی حکومت کے لیے

---

[۱] سید طفیل احمد منگلوری، مسلمانوں کا روشن مستقبل (لاہور، ۲۰۰۱ء)، ص ۳۶۶-۳۶۷

[۲] قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد نے ان کتابچوں کو یکجا کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: محمد رفیق افضل: *The Case for Pakistan* (اسلام آباد، ۱۹۸۹ء)۔ ● خواجہ رضی حیدر، ''مولانا عبدالحامد بدایونی اور تحریک پاکستان''، مشمولہ ظہور الدین امرتسری (مرتب)، تحریک پاکستان میں مولانا عبدالحامد بدایونی کے کردار کی ایک جھلک، (لاہور، ۲۰۰۵ء)، ص ۴۹

[۳] اشتیاق حسین قریشی، *Future Development of Islamic Polity*, Pakistan Literature Series No. 8 (لاہور، ۱۹۴۶ء)، ص ۲۵

[۴] خالد بن سعید، "Role of Ideology in Pakistan's National Development", *Pakistan Journal of History and Culture*, xiii:I (۱۹۹۲ء)، ص ۸-۱۰

ایک مکمل و مفصل لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے جو کمیٹی قائم کی تھی [۱] اس کی کارگزاری بھی منظرِعام پر نہ آسکی۔ البتہ آل انڈیا سنی کانفرنس نے ۱۳، اکابر علما پر مشتمل 'اسلامی حکومت کے مکمل لائحہ عمل' مرتب کرنے کے لیے جو کمیٹی تشکیل دی تھی، اس کے ایک سربرآوردہ رکن مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (۱۸۸۳-۱۹۴۸ء) [۲] نے ۱۹۴۸ء میں اسلامی دستور کے خاکہ کے لیے چند دفعات مرتب کی تھیں۔

یہ مجوزہ دستوری خاکہ ایک حقیقی شورائی اسلامی حکومت کی بنیاد بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔اس میں امیر کو مطلق العنان کی سی حیثیت تجویز کی گئی تھی۔ [۳]

اسلامی دستور کی تدوین میں مشکلات

اسلامی دستور کی تدوین میں تاخیر کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اہل علم وفکر کو بھی یہ کام دِقّت طلب

---

[۱] آل انڈیا سنی کانفرنس کے اس اجلاس اور اس کی منظور کردہ تجاویز کے بارے میں ملاحظہ ہو: قادری، سیدنور محمد، (مرتب)، مولانا عبدالماجد بدایونی کی ملی وسیاسی خدمات ،ص ۶۲-۶۹

[۲] مولانا سید محمد نعیم الدّین مراد آبادی بریلوی مکتب فکر کے ممتاز عالم، مولانا احمد رضا خان بریلوی (م:۱۳۴۰ھ) کے خلیفہ تھے۔مراد آباد میں مدرسۂ انجمن اہل سنت و جماعت 'جامعہ نعیمیہ' (قائم ۱۹۱۰ء) کے بانی و مہتمم تھے۔ مولانا احمد رضا خان کے ترجمہ قرآن کنزالایمان پر تفسیری حواشی خزائن العرفان تصنیف کیے۔ وہ آل انڈیا سنی کانفرنس کے بانیوں میں سے تھے اور پہلے ناظم اعلیٰ بھی۔تحریک پاکستان کے سرگرم حامی تھے۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کے تاریخی اجلاس منعقدہ ۲۷ تا ۳۰/ اپریل ۱۹۴۶ء، بمقام بنارس کہ جس میں مطالبہ پاکستان کی حمایت کی گئی تھی، اور اس موقعے پر اسلامی حکومت کا دستور العمل مرتب کرنے کے لیے جو کمیٹی مقرر کی گئی تھی، اس کے مرکزی رکن تھے۔
قیام پاکستان کے بعد آل انڈیا سنی کانفرنس کی طرف سے اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کرنے کا کام انھی کو تفویض کیا گیا۔ چنانچہ انھوں نے مارچ ۱۹۴۸ء میں مراد آباد سے مغربی پاکستان کا سفر کیا۔ لاہور و کراچی میں مقامی علما و زعما سے تبادلہ خیال کیا اور مراد آباد واپس جا کر اسلامی دستور کا ایک مختصر خاکہ مرتب کیا۔
ملاحظہ ہو: سید غلام معین الدین نعیمی، حیات صدر الافاضل: حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کے حالات زندگی (لاہور: ۲۰۰۰ء)؛ •افتخار الحسن میاں، ''مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کا تحریک پاکستان میں قائدانہ کردار''، نوائے وقت (لاہور)، ۲۰ مارچ ۲۰۰۶ء

[۳] معین الدین نعیمی، حیات صدر الافاضل، ص ۱۹۴-۱۹۵

دکھائی دیتا تھا۔ یوپی مسلم لیگ کی طرف سے اسلامی دستور کی تدوین کے لیے قائم کی گئی 'مجلس نظام اسلامی' کے صدر سید سلیمان ندوی نے اس مجلس کے ایک رکن مولانا عبدالماجد دریا بادی کے نام ایک خط (۹جنوری ۱۹۴۰ء) میں لکھا: آپ کے ذہن میں سیاسیاتِ اسلامی کا جو نقشہ ہو، اس کو قلم بند فرما کر عنایت فرمائیں۔ کام بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ [۱]

یہ مشکلات کس نوعیت کی تھیں؟ اس کی نشان دہی اسلام کے نظام سیاست وحکومت کی توضیح وتشریح کرنے والے دو ممتاز علما مولانا حامد الانصاری غازی اور سید ابوالاعلیٰ مودودی نے کی ہے۔ مولانا حامد الانصاری کی رائے میں مشکل یہ تھی کہ صدیاں گزرنے کے باوجود اسلام کے نظام حکومت کا کوئی مکمل خاکہ مرتب نہیں کیا گیا۔ مسلمانوں نے سالہاسال سے اجتماعی میدان کو دوسری طاقتوں کے ہاتھ میں چھوڑ رکھا تھا۔

علمی دائرہ میں الٰہیات کی درس وتدریس علما کا نصب العین تھا۔ اس کے لیے انھوں نے قابل تعریف کوشش کی، لیکن ان کے افکار واعمال کی جولانگاہ میں اجتماعیات کو وہ درجہ حاصل نہ ہوسکا جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں (خلفائے راشدین) کے جہادِ حق سے حاصل ہوا تھا۔

خلافت راشدہؓ کے بعد مسلمانوں کے دورحکومت نے فرماں روائی کا جو نقشہ تیار کیا، اس نے اسلامیت کی حقیقت پر پردہ ڈال دیا۔ علما کو جزئی قوانین کا وسیع میدان ملا، جس میں انھوں نے شاندار، قابل تعریف اور یادگار کارنامے کرکے دکھائے۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت وسلطنت کے متعلق خلافت نبوی اور ریاستِ عامہ کے جو اصول واحکام تھے، وہ آنکھوں سے اوجھل اور علم وتحقیق کی دسترس سے باہر ہوگئے۔ یہاں تک کہ صدیوں سے اس طرف کافی توجہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ چنانچہ اس زمانے تک کسی کتب خانہ میں کوئی کتاب ایسی نہیں، جس کو گزشتہ چند صدیوں کے مطالبہ کے جواب میں پیش کیا جائے اور جس کو اسلام کے مکمل دستور حکومت کا نام دیا جاسکے۔ [۲]

جہاں تک اسلامی دستور کے مآخذ (قرآن مجید، سنتِ رسولؐ، تعامل خلفائے راشدین، اجماع اور مجتہدین امت کے فیصلے) کا تعلق ہے تو بلاشبہہ یہ سب تحریری شکل میں موجود تھے، تاہم

---

[۱] عبدالماجد دریابادی (مرتب)، سیدسلیمان ندوی کے خطوط، حصّہ دوم، ص ۱۰۰

[۲] حامد الانصاری غازی، اسلام کا نظامِ حکومت، ص ۱۰-۱۱

ان مآخذ سے قواعد اخذ کر کے ان کو دستور کی شکل دینے میں چند مشکلات اور دقّتیں حائل تھیں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ان مشکلات کا جائزہ ان الفاظ میں پیش کیا:

۱- اصطلاحات کی اجنبیت: سب سے پہلی دقّت زبان کی ہے۔ قرآن، حدیث اور فقہ میں احکام کو بیان کرنے کے لیے جو اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں، وہ اب بالعموم لوگوں کے ناقابلِ فہم ہوگئی ہیں، کیونکہ ایک مدت دراز سے ہمارے ہاں اسلام کا سیاسی نظام معطل ہو چکا ہے، اور ان اصطلاحوں کا چلن نہیں رہا ہے۔ قرآنِ مجید میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں، جن کی ہم روز تلاوت کرتے ہیں، مگر یہ نہیں جانتے کہ یہ دستوری اصطلاحات [بھی] ہیں، مثلاً: سلطان، ملک، حکم، امر، ولایت وغیرہ۔

۲- قدیم فقہی لٹریچر کی نامانوس ترتیب: دوسری دقت یہ ہے کہ ہمارے فقہی لٹریچر میں دستوری مسائل کہیں الگ ابواب کے تحت یکجا بیان نہیں کیے گئے ہیں، بلکہ دستور اور قوانین ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہیں۔ پھر ان کی زبان اور اصطلاحات آج کل کی رائج اصطلاحوں سے اس قدر مختلف ہیں کہ جب تک کوئی شخص قانون کے مختلف شعبوں، اور ان کے مختلف مسائل پر کافی بصیرت نہ رکھتا ہو، اور پھر عربی زبان سے بھی بخوبی واقف نہ ہو، اس کو یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ کہاں قانونِ ملکی کے درمیان قانونِ بین الاقوام کا کوئی مسئلہ آ گیا ہے، اور کہاں پرسنل لا کے درمیان دستوری قانون کے مسئلے پر روشنی ڈال دی گئی ہے۔ پچھلی صدیوں کے دوران میں ہمارے بہترین قانونی دماغوں نے غایت درجہ بیش قیمت ذخیرہ چھوڑا ہے۔ اس چھوڑی ہوئی میراث کو چھان پھٹک کر ایک ایک قانونی شعبے کے مواد کو الگ الگ کرنا اور اسے منقح صورت میں سامنے لانا ایک بڑی دیدہ ریزی کا کام ہے۔

۳- نظام تعلیم کا نقص: تیسری مشکل یہ ہے کہ ہمارے ہاں تعلیم ایک کافی مدت سے بڑی ناقص ہو رہی ہے۔ جو لوگ ہمارے ہاں دینی علوم پڑھتے ہیں، وہ موجودہ زمانے کے علم السیاست اور اس کے مسائل اور دستوری قانون اور اس سے تعلق رکھنے والے معاملات سے بےگانہ ہیں۔ ان کے لیے اس وقت کے سیاسی و دستوری مسائل کو آج کل کی زبان اور اصطلاحوں میں سمجھنا اور پھر ان کے بارے میں اسلام کے اصول و احکام کو وضاحت کے

ساتھ بیان کرنا مشکل ہوتا ہے۔ دوسری طرف ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگ ہیں، جو زندگی کے جدید مسائل سے تو واقف ہیں، مگر وہ دستور اور سیاست اور قانون کے متعلق جو کچھ جانتے ہیں، مغربی تعلیمات اور مغرب کے عملی نمونوں ہی کے ذریعے سے جانتے ہیں۔ قرآن اور سنت اور اسلامی روایات کے بارے میں ان کی معلومات بہت محدود ہیں۔ یہ ایک بہت بڑی پیچیدگی ہے، جو ایک صحیح اسلامی دستور کی تدوین میں حارج ہو رہی ہے۔ [1]

غرض یہ کہ اس وقت وہ مذہبی طبقہ جو اسلامی نظام کی فکری اساس کے لیے قرآن و حدیث سے حوالے پیش کر سکتا تھا وہ تو موجود تھا، عوام میں اس نظام کے لیے جذبہ اور خواہش بھی موجود تھی لیکن وہ طبقہ جو دورِ جدید کے لیے اسلامی نظام کی عملی، آئینی، سیاسی و معاشی اور انتظامی صورت متعین کر سکتا، وہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ [2] چنانچہ جب پاکستان وجود میں آیا تو اس وقت نہ تو اسلامی دستور مرتب شدہ حالت میں کہیں موجود تھا اور نہ اس وقت کی سیاسی قیادت ہی کو اس کی فوری ضرورت و اہمیت کا کوئی شعور و ادراک تھا۔ سیاسی قیادت کی غفلت و کوتاہی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ''معاصر دنیا کے تقاضوں اور خود اسلام کی حقیقی تعلیمات کے حوالے سے لیگی قیادت ذہنی افلاس کی گرفت میں تھی اور وہ ان امور و مسائل میں علمی و فکری سطح پر کوئی معقول موقف اختیار کرنے کی اہلیت سے عاری تھی''۔ [3] چنانچہ عوام تو کجا خواص کے ذہنوں میں بھی اسلامی دستور اور نظامِ حکومت کا کوئی واضح تصور موجود نہ تھا۔

محمد اسد نے اسلامی دستور اور نظامِ حکومت کے بارے میں خواص و عوام کے ذہنوں میں پائے جانے والے فکری ابہام کے بارے میں لکھا:

At that time, I was Director of the Department of Isamic Reconstruction.... among the problems which preoccupied me most intensely was, naturally enough, the question of the future constitution of Pakistan. The shape which that constitution should have was then, as it is now, by no means clear to everybody. Although the people of our country were, for the most part, imbued with enthusiasm for the idea of a

---

[1] سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی دستور کی تدوین (لاہور: ۱۹۶۲ء)، ص ۱۱-۱۴

[2] مختار مسعود، لوحِ ایّام (لاہور: ۲۰۰۵ء)، ص ۴۸۴

[3] ارشاد احمد حقانی، دین و سیاست (لاہور: ۲۰۰۰ء)، ص ۱۱۵

truly Islamic State - that is a state based (in distinction from all other existing political groupments) not on the concept of nationality and race but solely on the ideology of Qur'an and Sunnah - they had as yet no concrete vision of the methods of government and of the institutions, which would give the state a distinctly Islamic character and would, at the same time, fully correspond to the exigencies of the present age. Some elements of the populaton naively took it for grauted that, in order to be genuinely Islamic, the government of Pakistan must be closely modeled on the forms of the early caliphate, with an almost dictatorial position to be accorded to the head of the state, utter conservatism to all social forms (including a more or less complete seclusion of women), and a patriarchal economy, which would dispense with the complicated financial mechanism of the twentieth century and would resolve all the problems of the modern welfare state through the sole instrumentatity of the tax known as Zakat. Other sectors - more realistic but perhaps less interested in Islam as a formative element in social life - visualised a development of Pakistan on lines indistinguishable from those commonly accepted on valid and reasonable to the parliamentary democracies of the moder West, with no more that than a formal reference to the wording of the constitution to Islam as the "religion of the state" and possibly, the establishment of a "Ministry of Religious Affairs" as a concession to the emotions of the overwhelmin majority of the population.[1]

اس زمانے میں [۱۹۴۷-۱۹۴۸ء] جو مسائل میرے دل و دماغ پر حد درجہ چھائے ہوئے تھے، طبعاً ان میں سے ایک مسئلہ پاکستان کے آئندہ دستور کا بھی تھا۔ اس زمانے میں اکثر و بیشتر لوگوں پر یہ امر واضح نہ تھا کہ [اسلامی] دستور کی وضع و ہیئت کیا ہونی چاہیے؟ اگرچہ ہمارے ملک [پاکستان] کے باشندوں کی اکثریت حقیقی اسلامی مملکت کے تصور سے سرتاپا متاثر تھی، یعنی چاہتی تھی کہ ایک مملکت نسل و قومیت کے تصورات پر نہیں بلکہ خالصتاً قرآن وسنت کے نظریات پر تعمیر کی جائے۔ تاہم، وہ اپنے ذہنوں میں ایک ایسی مملکت جو عملاً واضح طور پر اسلامی ہو اور ساتھ ہی دور حاضر کے تقاضوں کو ٹھیک ٹھیک طور پر پورا کر سکے، کی حکومت اور اس کے اداروں کے اوضاع و اطوار کے بارے میں کوئی واضح تصوّر نہ رکھتے تھے۔ آبادی کے بعض عناصر سادہ لوحی

[1] Asad, *Principles of State*, "Preface", pp ix.x.

سے سمجھے بیٹھے تھے کہ حقیقی اسلامی مملکت بننے کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان کا نظام ابتدائی عہد کی خلافت کے عین مطابق ہو۔ رئیس مملکت کو تقریباً وہی کُلّی اختیارات سونپ دیے جائیں۔ ویسا ہی بالکل ابتدائی اسلامی دور کا اقتصادی نظام بیسویں صدی کے پُرپیچ سلسلۂ نظم و نسق مالیات و معیشت کی جگہ لے لے اور یہ کہ دورِ حاضر کی فلاحی مملکت کے تمام مسائل صرف ایک محصول (Tax) یعنی محصول زکوٰۃ کی بنا پر حل ہوجائیں گے۔ دوسرے طبقے کے لوگ جنھیں اسلام کو اجتماعی زندگی میں ایک کارفرما عامل بنالینے سے کوئی دلچسپی نہ تھی، یہ تصور کیے بیٹھے تھے کہ پاکستان کے سیاسی و دستوری نظام کا نشوو ارتقا ان اصولوں پر ہوگا، جنھیں دورِ حاضر کے مغرب کی پارلیمانی جمہوریتوں میں مشترکاً درست و معقول مانا جاتا ہے اور ان دونوں میں بجز اس کے کوئی فرق نہ ہوگا کہ ہمارے دستور میں رسماً لکھ دیا جائے گا کہ ''مملکت کا مذہب اسلام ہے'' اور آبادی کی بہت بڑی اکثریت کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے ایک وزارتِ مذہبی امور قائم کردی جائے گی۔ [۱]

---

[۱] محمد اسد، اسلام میں مملکت و حکومت کے بنیادی اصول (مترجمہ: مولانا غلام رسول مہرؔ) (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۶۳ء)، ص ۶-۷

نوزائیدہ مملکت پاکستان میں مغربی جمہوری نظام کی من و عن ترویج کے حامی تو ایک طرف بعض علما و مشائخ بھی ملک میں محض ایک وزارتِ مذہبی امور و اوقاف کے قیام اور چند دیگر سطحی اقدامات کو اسلامی ریاست و حکومت کے قیام کے سلسلہ میں کافی خیال کرتے تھے۔ چنانچہ امین الحسنات پیر آف مانکی شریف نے قائداعظم محمد علی جناح کے سامنے خط محررہ ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء میں کچھ ایسے ہی مطالبات رکھے تھے اور یہ تقاضا کیا تھا کہ قیامِ پاکستان کے بعد صوبہ سرحد میں ایک الگ وزارت قائم کی جائے جو محض امورِ دینیہ و شرعیّہ کی ذمہ دار ہو اور مسلمانوں کی شرعی امور سے متعلق رہنمائی کرے، نیز عدالتوں کی طرف سے پیش کردہ قانونی مسائل کی بابت شرعی نقطۂ نظر کی وضاحت کرے، مکاتب اور دوسرے اسکولوں میں مذہبی تعلیم کے لیے درسی کتب تیار کرے، ائمہ و قضاۃ اور مفتیانِ کرام کی تعلیم و تربیت کے لیے مدارس قائم کرے اور دعوت و تبلیغِ اسلام کا اہتمام کرے۔ پیر آف مانکی شریف کے صدر آل انڈیا مسلم لیگ قائداعظم محمد علی جناح کے نام خط کے لیے ملاحظہ ہو: زوار حسین زیدی (مرتب) Jinnah Papers: On the Thresholds of Pakistan، جلد سوم، پہلی سیریز، (کیبنٹ ڈویژن، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء، ص ۵۱۲)

غرضیکہ اس وقت ضرورت ایسے دستوری خاکے کی تھی جو ایک طرف حقیقی معنی میں اسلامی ہوتا، دوسری طرف عصرِ حاضر کے تمام عملی تقاضوں کو اس میں پیش نظر رکھا جاتا اور جس میں افراط وتفریط کے مذکورہ دو نظریوں کے درمیان توافق پیدا کیا جاتا۔ اس اہم علمی وفکری ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بانی جماعتِ اسلامی سید ابوالاعلیٰ مودودی اور محمد اسد نے قیام پاکستان کے ابتدائی زمانے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ ان دونوں مفکرین نے اسلام کے سیاسی نظریے کی توضیح وتشریح جدید علم السّیاست کی زبان و اصطلاحات میں کی تاکہ وہ جدید تعلیم یافتہ طبقے کے لیے قابلِ فہم ہوسکے۔ دونوں نے اسلامی دستور کے بنیادی اُصول کو منقح کرکے پیش کیا اور موجودہ زمانے کے حالات اور تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر ان کے عملی طور پر اطلاق و انطباق کی صورتوں کی نقشہ گری بھی کی۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے تو، جو اقامتِ دین وحکومتِ الٰہیہ کی دعوت لے کر اٹھے تھے، ۱۹۳۹ء سے ہی اسلامی ریاست/حکومتِ الٰہیہ کے نظریے کی توضیح وتشریح اور اس کے عملاً قیام کی دعوت کو اپنی علمی وفکری جدوجہد کا خصوصی میدان بنالیا تھا۔ انھوں نے اپنی تقریروں خصوصاً جدید تعلیم یافتہ افراد کے اجتماعات سے اپنے خطابات میں ''اسلام کا نظریۂ سیاسی'' (جلسۂ انٹرکالجیٹ مسلم برادرہڈ، لاہور، اکتوبر ۱۹۳۹ء)، ''اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟'' (اسٹریچی ہال، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ، ۱۲ستمبر ۱۹۴۰ء)، ''اسلامی قانون اور پاکستان میں اُس کے نفاذ کی عملی تدابیر'' (لاء کالج، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، ۶ جنوری و ۱۹فروری۱۹۴۸ء)، ''اسلام کا سیاسی نظام'' (ریڈیو پاکستان، لاہور، فروری۱۹۴۸ء) اور ''اسلامی دستور کے بنیادی اُصول'' (کراچی بار ایسوسی ایشن، ۲۴ نومبر ۱۹۵۲ء) جیسے موضوعات ومسائل پر تسلسل کے ساتھ اظہارِ خیال کیا۔

مولانا مودودی نے ان تقریروں اور خطبات میں اسلامی ریاست کے بنیادی نظریے اور اُس کے نمایاں خدوخال کو لوگوں کے سامنے کھول کر رکھا تاکہ وہ اس کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ لیں۔[۱] سید مودودی کا مطمح نظر ملک کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کو اسلامی ریاست کے نظریے

---

[۱] سیّد مودودی، تحریکِ اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل، ص ۶۵-۶۶۔ سید مودودی کے نظریۂ اسلامی ریاست کے نمایاں خدوخال کے لیے دیکھیے ان کی کتاب اسلامی ریاست۔

سے محض واقف کرانا ہی نہیں بلکہ انھیں اس کے عملاً قیام کا قائل اور طالب بنانا تھا۔[1] ۱۹ فروری ۱۹۴۸ء کو لاکالج (پنجاب یونی ورسٹی، لاہور) میں اپنی تقریر میں انھوں نے اسلامی ریاست کے قیام کے حق میں آواز اٹھائی اور ملک کی مجلسِ دستور ساز سے اسلامی دستور کا مطالبہ کیا۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ مجلس دستور ساز ایک قرارداد کے ذریعے واضح طور پر یہ اعلان کرے کہ:

۱- پاکستان کی بادشاہی [حاکمیت واقتدارِ اعلیٰ] اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور حکومتِ پاکستان کی حیثیت اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کی مرضی اس کے ملک میں پوری کرے۔

۲- پاکستان کا بنیادی قانون اسلامی شریعت ہے۔

۳- وہ تمام قوانین جو اسلامی شریعت کے خلاف اب تک جاری رہے ہیں، منسوخ کیے جائیں گے اور آیندہ ایسا قانون نافذ نہ کیا جائے گا جو شریعت کے خلاف ہو۔

۴- حکومتِ پاکستان اپنے اختیارات اُن حدود کے اندر استعمال کرے گی جو شریعت نے مقرر کر دی ہیں۔[2]

سید مودودی نے اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے مطالبۂ دستورِ اسلامی کو نقطۂ آغاز کی حیثیت سے منتخب کیا تھا۔[3] چنانچہ اپریل ۱۹۴۸ء سے انھوں نے اس مطالبہ کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے ملک گیر مہم کا آغاز کیا۔[4] سید مودودی کی اس دستوری جدوجہد اور مولانا شبیر احمد عثمانی اور ڈاکٹر عمر حیات ملک جیسے ارکانِ مجلس دستور ساز کی مساعی کے نتیجے میں

---

[1] سیّد مودودی، تحریکِ اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل، ص۸۳

[2] سیّد مودودی، تحریکِ آزادیِ ہند اور مسلمان، ج ۲، ص۳۸۹-۳۹۰؛ مزید دیکھیے: میاں طفیل محمد، جماعتِ اسلامی کی دستوری جدوجہد (لاہور: ۲۰۰۱ء)، ص۲۰-۲۱، ۳۶

[3] سیّد مودودی، تحریکِ آزادیِ ہند اور مسلمان، ج ۲، ص۱۰۳-۱۰۴

[4] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: میاں طفیل محمد، جماعتِ اسلامی کی دستوری جدوجہد، ص۳۶-۳۸، ۵۰-۵۵؛ • مشاہدات • سیّد مودودی، تحریکِ آزادیِ ہند اور مسلمان، ج ۲، ص۳۸۳۔ مزید دیکھیے: • سیّد ریاض احمد، "Introduction", in *slam and Modern Political nstitutions in Pakistan*، ص ۴۷-۷۹، ۱۴۳۔ • پروفیسر خورشید احمد (مرتب ومترجم) Sayyid Abul A'la Maududi, *The slamic Law and Constitution*, (لاہور ۲۰۰۵ء)، ص۲۶-۲۷۔

مجلس دستورساز نے مارچ ۱۹۴۹ء میں قرارداد مقاصد منظور کی [۱]، جسے بعد میں پاکستان کے دستور کے رہنما اصولوں اور اُس کے دیباچہ (Preamble) کی حیثیت حاصل ہوئی۔ مطالبہ دستورِ اسلامی کے حق میں سید مودودی کی عملی سیاسی جدوجہد نے ۱۹۵۶ء کے دستور میں اسلامی اصولوں کو منوانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ [۲]

اسلامی دستور کے خاکے کی تدوین

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اسلام کی سیاسی تعلیمات کی توضیح وتشریح کا جو کارنامہ انجام دیا ہے، بلاشبہہ وہ پاکستان میں اسلامی ریاست کے قیام کی جدوجہد میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ بایں ہمہ مملکتِ پاکستان کے لیے اسلامی دستور کے خاکہ کی تدوین کے معاملے میں محمد اسد کو تقدّم وسبقت حاصل ہے۔ محمد اسد نے ۳ جون ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند کے منصوبہ کے اعلان کے ساتھ ہی مجلہ عرفات (*Arafat*) میں اسلام کے نظریۂ ریاست اور اسلامی دستور کے بنیادی اُصول پر بحث کا آغاز کیا تھا۔ [۳] قیامِ پاکستان کے بعد جب وہ محکمۂ احیائے ملتِ اسلامیہ (Department of Islamic Reconstruction)، کے ناظم مقرر ہوئے تو پاکستان کی اسلامی تشکیل کے لائحہ عمل بالخصوص ایک اسلامی دستوری خاکہ کی تدوین ان کی علمی وفکری کارگزاریوں کا ہدف ٹھیرا۔ چنانچہ ایک ایسے وقت میں، جب کہ اسلامی دستور کا کوئی نمونہ موجود نہ تھا محمد اسد نے اس اہم اور مشکل و دقّت طلب کام کا از خود بیڑا اٹھایا اور اسلامی دستور اور اسلام کے سیاسی نظام کا ایک مفصل خاکہ مرتب کیا، جسے مارچ ۱۹۴۸ء میں محکمۂ احیائے ملت اسلامیہ کی طرف سے شائع کراکے عوام

---

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: میاں طفیل محمد، جماعتِ اسلامی کی دستوری جدوجہد، ص ۴۱؛ مزید دیکھیے: ●ڈاکٹر لیونرڈ بائنڈر، *Religion and Politics in Pakistan*، ص ۱۰۲-۱۰۴، ۱۳۷-۱۵۴، ●خورشید احمد: "Introduction"، ص ۲۷-۲۸

[۲] دیکھیے: میاں طفیل محمد، جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد، ص ۴۲-۴۵، ۷۰-۷۴۔ ●مشاہدات ● علی ارشد، علامہ شبیر احمد عثمانی کا تحریکِ پاکستان میں کردار (لاہور: ۲۰۰۵ء)، ص ۳۹۴-۴۳۱۔ ●لیونرڈ بائنڈر، *Religion and Politics in Pakistan*، ص ۲۷۶-۲۹۲، ۳۱۵-۳۴۴، ●خورشید احمد: "Introduction"، ص ۲۸-۳۳

[۳] Asad, "Towards An Islamic Constitution", *Arafat: A Monthly Critique of Muslim Thought*, 1:9 (July 1947), pp.257-284

کے سامنے پیش کیا۔ [۱]

محمد اسد کو مغرب کے سیاسی نظاموں، دستوری و قانونی اصول وتصورات اور دستوری زبان واصطلاحات کے علاوہ اسلام کے سیاسی اُصول ومبادی سے بھی گہری واقفیت حاصل تھی۔ چنانچہ انھوں نے قرآن وسنت کی نصوص سے عمومی دستوری اصول اخذ کرکے ان کی توضیح وتشریح جدید علم السّیاست کی زبان واصطلاحات میں کی تاکہ وہ جدید تعلیم یافتہ طبقے کے لیے قابلِ فہم ہوسکیں۔ [۲]

محمد اسد نے اس دستوری خاکہ کی تدوین میں صرف قرآن مجید اور سنت رسولؐ کے نصوص کو بنیاد بنایا ہے۔ خلافت راشدہ کے تعامل و نظائر اور فقہاء ومجتہدین امت کے دستوری و سیاسی مسائل میں آراء سے انھوں نے اعتناء نہیں برتا ہے۔ ان کے نزدیک ان دونوں کی تقلید و پیروی امت پر لازم و واجب (binding) نہیں ہے، جب کہ قدیم فقہاء و مجتہدین کے ہاں سے اس بارے میں مناسب رہنمائی بھی نہیں ملتی۔ محمد اسد کی رائے میں دستوری و سیاسی مسائل و معاملات کے بارے میں اسلامی کتب کا جو ذخیرہ اس وقت موجود تھا، اس میں اس مشکل کے لیے رہنمائی کا کوئی سامان نہ تھا۔ کیونکہ گذشتہ صدیوں کے بعض علمائے اسلام نے خصوصاً عباسیوں کے عہد حکومت میں اسلام کے سیاسی قانون پر جو چند کتابیں مرتب کی تھیں، ان میں ان مسائل کے متعلق ان کا طریق فکر ونظر ان کے عہد کے ثقافتی ماحول اور اجتماعی و سیاسی تقاضوں پر مبنی تھا۔ یوں ان کی

---

[۱] محمد اسد کا مرتبہ دستوری خاکہ محکمۂ احیائے ملت اسلامیہ کے ترجمان مجلہ عرفات (*Arafat*) مارچ ۱۹۴۸ء میں 'Islamic Constitution-Making' کے عنوان سے شائع ہوا۔ مجلہ عرفات کا یہ شمارہ بیک وقت انگریزی اور اردو میں شائع ہوا۔ اردو میں یہ دستوری خاکہ اُصولِ دستورِ اسلامی کے عنوان سے ہے۔

[۲] ملاحظہ ہو: نعیم صدیقی، دو دستوری خاکے (کراچی: مکتبۂ چراغ راہ، طبع دوم، (س۔ن)، ص ۱۰۔ محمد اسد کے دستوری خاکہ کے تنقیدی جائزہ کے لیے ملاحظہ ہو:

●Manzooruddin. Ahmad. *Pakistan: The Emerging slamic State*, pp. 97–98 ● Syed Riaz Ahmad, *slam and Modern Political nstitutions n Pakistan*. (Lahore:2004). pp.146–151. ●Binder, *Religion and Politics in Pakistan*, pp.104–105,144. ●Ishtiaq Ahmad. *The Concept of slamic State in Pakistan:* (Lahore:1991).pp.121–128.●Don Peretz."Islamic Revival or Reaffirmation". in Don Peretz. Richard U. Moench and Safia K. Mohsen(eds). *slam: Legacy of the Past, Challenge of the Future*(New York: North River Press, 1984). pp.6–46

سعی و نشاط کے نتائج بیسویں صدی کی ایک اسلامی مملکت کی ضرورتوں کا جواب نہیں بن سکتے تھے۔[1]

محمد اسد نے دورِ حاضر کے مغرب زدہ مسلمان مصنّفین و مفکرین کے دستوری و سیاسی مسائل سے متعلق افکار و خیالات کو بھی توجہ کے لائق نہیں سمجھا۔ ان کی رائے میں ''دورِ حاضر میں مغرب سے مرعوب و متاثر مسلمانوں نے عموماً یورپ کے ایسے سیاسی تصوّرات و ادارات اور حکمرانی کے طور طریقے بے تکلفی سے قبول کر لیے اور انھیں دورِ حاضر کی مسلم مملکت کا معیار بنا لیا جو اسلامی نظریات کے حقیقی تقاضوں سے بالکل متناقض تھے۔[2] غرض یہ کہ محمد اسد کی رائے میں ان کے معاصرین یا پیشروؤں کی تصانیف کوئی اطمینان بخش فکری بنیاد مہیا نہیں کرتی تھیں کہ جس پر پاکستان کی نئی مملکت کے دستور کی عمارت قائم کی جاتی۔ دریں صورت انھوں نے قرآن و سنت کی طرف راست طور پر رجوع کر کے ان کے نصوص سے دستوری اصول اخذ کر کے اس مملکت کے سیاسی و حکومتی نظام کا خاکہ مرتب کرنے کی کوشش کی۔ اسد کے الفاظ میں:

> Thus, neither the works of our predecessors nor those of our contemporaries could furnish a satisfactory conceptual basis on which the new state of Pakistan should be built up. Only one way remained open to me: to turn to the original sources of Islamic Law, Qur'an and Sunnah, and to work out on their basis the concrete premises of the future constitution of Pakistan independently of all that has been written on the subject of the Islamic State.[3]

غرض یہ کہ ہمارے پیش روؤں کی تصانیف کوئی اطمینان بخش فکری بنیاد مہیا نہیں کرتی تھیں، جس پر پاکستان کی نئی مملکت کی عمارت تعمیر کی جاتی۔ میرے لیے صرف ایک ہی راستہ باقی رہ گیا تھا اور وہ یہ کہ قانونِ اسلام کے بنیادی مآخذ قرآن و سنت کی طرف متوجہ ہوتا۔ اس طرح قدما نے امامت و خلافت (سیاست و حکومت) کے بارے میں جو تصنیفی سرمایہ چھوڑا ہے، اسے ایک طرف رکھتے ہوئے اور آزادانہ غور و فکر سے کام لیتے ہوئے پاکستان کے آیندہ دستور کے لیے مثبت اصول اخذ کرتا، جو اسلامی مملکت کے موضوع پر مرتبہ کتابوں سے بالکل مختلف ہوتے۔[4]

---

[1] Asad, *The Principles of State*, p.x.

[2] Asad, *The Principles of State*, p.x.

[3] Asad, *The Principles of State*, pp. x-xi.

[4] محمد اسد، اسلامی مملکت و حکومت کے بنیادی اصول، مترجم: غلام رسول مہر، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۴۱

ڈاکٹر منظور الدین احمد کی رائے میں پاکستان کے ابتدائی برسوں میں مختلف اہل علم کی طرف سے جو دستوری خاکے منظر عام پر آئے، ان میں سے محمد اسد کا مرتب کردہ یہ خاکہ زیادہ واضح اور جدید ذہن کے لیے زیادہ قابلِ فہم تھا۔ [۱]

محمد اسد کے دستوری خاکہ کا ایک قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ انھوں نے قرآن وسنت سے دستوری اصول اخذ کرتے ہوئے، معاصر مغربی دستوری وسیاسی نظاموں سے اخذ واکتساب کی راہ بھی نکالی ہے۔ اسلام کے سیاسی اصول اور مغرب کے سیاسی تجربات واجتہادات میں ایک گونہ تطبیق قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ محمد اسد نے گویا اس دستوری خاکہ میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ قرآن وسنت کے اصول وتعلیمات پر قائم رہتے ہوئے کس طرح سے عصر حاضر میں ایک اسلامی ریاست قائم کی جاسکتی ہے۔ محمد اسد نے اس دستوری خاکہ کو، مملکت پاکستان کے سیاسی نظام اور ریاستی اداروں کی اسلامی بنیادوں پر تشکیل وتنظیم کی غرض سے، ایک منشور اور دستور العمل کے طور پر پیش کیا ہے۔ [۲]

---

[۱] Manzooruddin Ahmed, *Pakistan: The Emerging Islamic State*, pp.97-98

محمد اسد کے اس دستوری خاکے کو مذہبی سیاسی حلقوں خصوصاً جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے اہل علم وفکر نے بڑی قدر وتحسین کی نگاہ سے دیکھا۔ نعیم صدیقی (م: ۲۰۰۲ء) نے سیکولر ریاست کے تصور کے حامی دانش وروں اور سیاست کاروں، جن کے خیال میں اسلام اپنے پیروؤں کو کوئی دستور حکمرانی نہیں دیتا، کے اس موقف کی تردید نیز ان کو یہ بتانے کے لیے کہ اسلام کا دستور کیا ہے، محمد اسد کے اس خاکہ کی تلخیص کی اور اسے سید ابوالاعلیٰ مودودی کی دستوری تجاویز کے ساتھ 'دو دستوری خاکے' کے عنوان سے ماہنامہ چراغ راہ (کراچی)، شمارہ بابت اگست، اکتوبر ۱۹۴۸ء، میں شائع کیا۔ بعدازاں جماعت اسلامی نے اس کو ایک کتابچہ کی صورت میں متعدد بار چھپوا کر تقسیم کیا۔ تاہم بریلوی مکتبِ فکر کے علماء ومشائخ کی سیاسی جماعت جمعیت علمائے پاکستان کے بعض اکابرین نے فقۂ حنفی کو شریعت قرار نہ دینے اور فقۂ اسلامی کی تدوین جدید پر زور دینے پر محمد اسد کو ہدفِ تنقید وملامت بنایا اور ان کے دستوری خاکے کو غیر اسلامی قرار دیا۔ ملاحظہ ہو: ابوالحسنات سید محمد احمد قادری (مرتب)، روئداد جمعیت العلماء پاکستان لاہور (لاہور: جمعیت العلماء پاکستان، س۔ن)، ص ۳۷-۳۹۔

[۲] محمد اسد کے اس دستوری خاکہ، جو بعض اضافات کے ساتھ '*The Principles of State and Government in Islam*' کے نام سے کیلی فورنیا یونی ورسٹی، برکلے سے شائع ہوا، کے بارے میں مستشرق گرونے بام (Gustav E. Von Grunebaum) نے ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔

محمد اسد نے اسلامی دستور کا مربوط و مفصل خاکہ پیش کر کے بعض اہل سیاست و اہل دانش کے اس اعتراض کو بے اصل ثابت کر دیا کہ ''اسلام دستور سازی اور نظام حکومت و سیاست کے بارے میں قطعاً کوئی رہنمائی نہیں کرتا، اور نہ اصول و مبادی تجویز کرتا ہے''۔

محمد اسد کا تجویز کردہ دستوری خاکہ نوزائیدہ مملکت کے دستور کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے میں ایک مؤثر بنیاد فراہم کرتا تھا، تاہم حکومت وقت کے مصالح اور سیاسی قائدین کی ذاتی اغراض نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ محمد اسد کو اس بات کا قلق رہا کہ دستور سازی کے سلسلے میں ان کی تجاویز سے فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔

تاہم محمد اسد کی یہ کاوش بے اثر نہ رہی اور تحریک پاکستان میں سرگرم عمل علماء اور بعض اہل دانش کی جدوجہد کے نتیجے میں پاکستان کی دستور ساز مجلس نے ۱۹۴۹ء میں مملکت کے دستور کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنے کی غرض سے جو 'قرارداد مقاصد' منظور کی تھی [۱] یا پھر مختلف مکاتب فکر کے علما نے اسلامی دستور تشکیل دینے کے لیے جنوری ۱۹۵۱ء میں جو بائیس نکاتی دستوری فارمولا مرتب [۲] کیا تھا، اس میں کسی حد تک محمد اسد کے دستوری خاکہ کا عکس دیکھا جا سکتا ہے۔ (جاری)

---

[۱] قرارداد مقاصد کے پس منظر اور اس معاملہ میں علما کی جدوجہد کے بارے میں ملاحظہ ہو: ● میاں طفیل محمد، جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد، ص ۳۴-۶۰؛ ● علی ارشد، علامہ شبیر احمد عثمانی، ص ۴۰۷-۴۲۵ ● لیونرڈ بائنڈر، Religion and Politics in Pakistan، ص ۱۳۷-۱۴۲۔ قرارداد مقاصد کو ۱۹۵۶ء کے دستور کا ''Preamble'' بنایا گیا۔ بعد ازاں یہ قرارداد ۱۹۷۳ء کے آئین میں بھی بطور ''Preamble'' شامل کی گئی۔ قرارداد مقاصد کے متن کے لیے ملاحظہ ہو:
The Constitution of the slamic Republic of Pakistan (Karachi: Ministry of Law, March 1956), "Guiding Principles", pp.1–3.

[۲] جنوری ۱۹۵۱ء کے دوران کراچی میں پاکستان کے تمام دینی مکاتب فکر کے ۳۱ علما نے علامہ سیّد سلیمان ندوی کی زیر صدارت اجلاس، جس میں جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان اور جمعیت اہل حدیث کے نمایندوں کے علاوہ شیعہ علما بھی شامل تھے، مملکت پاکستان کے لیے اسلامی دستور تشکیل دینے کے لیے ۲۲ نکات پر مشتمل بنیادی اصول اتفاق رائے سے منظور کیے جو 'علما کے ۲۲ نکات' کے نام سے مشہور ہوئے۔ علما کی ان تجاویز اور ان کے پس منظر کے بارے میں ملاحظہ ہو: ● میاں طفیل محمد، جماعتِ اسلامی، ص ۷۲-۷۴؛ ● علی ارشد، علامہ شبیر احمد عثمانی، ص ۴۱۴-۴۱۹۔ مزید دیکھیے: ● لیونرڈ بائنڈر کی دستوری جدوجہد، Religion and Politics in Pakistan، ص ۲۱۵-۲۱۷